تھا۔ امام شافعی کی رائے تو شوکانی نے بھی نقل کر دی ہے ۔ ابن حزم جن کے اقوال پر متجددین بڑے زور شور سے نقل کرتے ہیں ان کی رائے بھی سن لیجئے ان کا خیال بھی وہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان غانمین کو جو متفق نہ تھے معاوضہ دے کر راضی کیا تھا۔ ان کے اصل الفاظ یوں ہے۔

تقسم الارض وتخمس كسائر الغنائم، فان تابت نفوس المجاهدين على تركها؛ اوقفها للمسلمين والا فلا۔ ومن اسلم بنصيبه؛ كان من لم يسلم حقه لا يجوز غير ذلك۔

یعنی جیسے اور غنائم تقسیم ہوں گے ویسے زمین بھی تقسیم کرنا لازمی ہو گا مگر یہ کہ مجاہدین اپنی رضا و رغبت سے اپنا حصہ چھوڑ دیں تو پھر مفتوحہ زمین کو تمام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا جائے گا ورنہ وقف نہیں کیا جا سکتا ابن حزم نے اس سلسلے میں اپنے قول تائید میں جہاں احادیث و آثار کا حوالہ دیا ہے وہاں قرآنی آیت کا بھی حوالہ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا قول اللہ کی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے (فكلوا مما غنمتم حلالا طيبا) یعنی جو بھی تم کو غنیمت میں ملے اسے حلال اور طیب سمجھ کر کھاؤ۔[۱]

گویا اس میں زمین اور غیر زمین کی تفریق قرآن نے نہیں کی ہے۔

ابن حزم نے تو حضرت عمرؓ کے اس قول کا حوالہ دے کر اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو مفتوحہ تمام زمین غانمین میں اسی طرح تقسیم کر دوں گا جس طرح حضور علیہ وسلم نے خیبر کی زمین تقسیم کی تھی۔

یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے سابقہ فیصلہ سے رجوع کر لیا تھا۔[۲]

ابن حزم کا اصل مطلب یہی ہے کہ ملکیت کے معاملے میں زمین اور دیگر اموال میں کوئی فرق نہیں تھا بلکہ اس طرف اشارہ تھا کہ اگر پہلے میں نے حضورؐ کی ایک سنت پر عمل کیا تھا تو آئندہ کے لیے مجھے اس میں مصلحت نظر آ رہی ہے حضورؐ کی دوسری سنت پر عمل کر دوں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ کبھی بھی سنت کے خلاف عمل نہ کرتے تھے بلکہ ہر ہر سنت پر عمل کرنے کے حریص تھے۔

---

[۱] ابن حزم: المحلی: ۷: ۳۴۱ - ۳۴۳

[۲] ابن حزم: المحلی: ۳۴۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُولِی الامرِ مِنکُم

(احکام خلیفہ کی شرعی حیثیت بحیثیت مصدرِ شریعت)

ادارے کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

مولانا محمد امین صاحب، ریسرچ سکالر، ریاض۔ سعودی عرب

زیرِ نظر موضوع پر براہِ راست گفتگو سے پہلے دو بنیادی باتوں کا ذکر ضروری ہے ایک تو یہ کہ شریعت کیا ہے اور اس کے مصادر کیا ہیں؟ اور دوسرے یہ کہ "اولی الامر" کی صحیح حیثیت اسلام کے سیاسی نظام میں کیا ہے؟

شریعت اور اس کے مصادر

اسلام میں احکام دو طرح کے ہیں ایک وہ جو نصوص قطعیہ پر مشتمل ہیں اور دوسرے وہ جو اجتہاد پر مبنی ہیں۔ ان دو طرح کے احکام میں بعض بنیادی قسم کے فرق پائے جاتے ہیں مثلاً احکام منصوصہ اگر قطعی النص اور قطعی الدلالۃ ہوں تو وہ حرفِ آخر ہیں۔ ان میں قیل و قال اور اجتہاد کی ذرا گنجائش نہیں۔ ان کا مصدر ایک ہی ہے اور وہ وحی ہے (یعنی قرآن و سنت)۔ اس کے برعکس وہ احکام جو اجتہاد پر مبنی ہیں وہ اگرچہ نصوص ہی سے مستنبط شدہ اور نصوص ہی میں بیان کردہ اصول و قواعد کی روشنی میں وضع کئے جاتے ہیں لیکن بہرحال ان کے وجود پذیر ہونے میں عقلِ انسانی کا دخل ہے، لہٰذا ان میں غلطی اور خطاء کا امکان بہرقیمت موجود

ہے اور وہ ظن تک تو پہنچاتے ہیں، یقین اور قطع تک نہیں پہنچاتے۔ ان کا مصدر بھی قرآن و سنت کے علاوہ اجتہاد کے مختلف وسائل اور طریقے ہیں (مثلاً قیاس و استنباط، استحسان، عرف اور مصالح مرسلہ وغیرہ)

اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ دونوں طرح کے احکام "شریعت" ہیں تو یہ غلط مبحث ہوگا اور اس سے کئی پیچیدگیاں جنم لیں گی۔ اس نقطۂ نظر کو تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ فقہ بھی شریعت ہے اور فقہاء بھی شارع اور مشروع ہیں، حالانکہ یہ بات اسلام میں طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی شارع نہیں۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ.... [1]

حکم (فرمانروائی) کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ... [2]

اسی کا ہے خلق اور اسی کا ہے امر۔

يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ، قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ"... [3]

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اختیارات (فرمانروائی) میں کچھ ان کا حصہ بھی ہے، کہو فرمانروائی سراسر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شارع اس لیے کہا جاتا ہے کہ خود خدا نے ان کو تشریع کی اجازت دی ہے۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ... [4]

اور نبی ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ

---

[1] یوسف: ۴۰

[2] الاعراف - ۵۴

[3] آل عمران - ۱۵۴

[4] الاعراف - ۱۰۷

بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

لہٰذا خدا اور اس کے رسول کے علاوہ کوئی شارع نہیں اور اگر کوئی یہ دعویٰ کرے بھی تو وہ مردود ہے:

"وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَالٌ وَهٰذَا حَرَامٌ۔ [1]

اور نہ کہو وہ جو تمہاری زبانیں جھوٹے احکام لگاتی ہیں کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ حرام۔

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝" [2]

اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ۔ [3]

اور جو اسلام کے سوا کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے تو وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

لہٰذا شریعت کا اطلاق صرف ان احکام و قوانین پر ہونا چاہیے جو خدا اور رسولؐ کی طرف سے ہیں نہ کہ ان قوانین پر جو فقہاء کے اجتہادات پر مبنی ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہوگی کہ شریعت کا مصدر صرف وحی ہے جب کہ اجتہادی احکام کے مصادر میں وحی کے علاوہ اجتہاد اور اس کے مختلف وسائل اور طریقے بھی شامل ہیں۔ یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ ماضی میں فقہاء نے "مصادر" یا "مصادر شریعت" یا "مصادر فقہ" کی اصطلاح کبھی استعمال نہیں کی بلکہ اس کی بجائے وہ "ادلہ" اور "ادلۃ الاحکام" اور "امارات" کی مصطلحات استعمال کرتے رہے ہیں جن کا فرق مصدر سے واضح ہے۔

---

[1] النحل ؛ ۱۱۶-

[2] المائدہ، ۴۴-

[3] آل عمران، ۸۵-

عربی میں تو شریعت اور فقہ کا فرق واضح کیا جا سکتا ہے لیکن جب ان مفاہیم کو دوسری زبانوں میں منتقل کیا جائے تو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے مثلاً اردو میں "اسلامی قانون" اور انگریزی میں (Islamic Law) کا مفہوم کیا ہوگا؟ اس سے مراد یا تو شریعت کے منصوص احکام لیے جا سکتے ہیں یا پھر اجتہادی احکام۔ اگر آپ اس سے مراد بیک وقت دونوں لیں گے تو پیچیدگیاں پیدا ہوں گی کیوں کہ دونوں ایک دوسرے سے مصادر اور نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ مشہور مستشرق پروفیسر کلسن نے ایک پوری کتاب اس موضوع پر لکھ دی[1] کہ اسلامی قانون میں داخلی طور پر کشمکش اور تضاد ہے۔ حالانکہ بظاہر پروفیسر صاحب جو کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ فقہاء کے بعض اجتہادی فیصلے، ان کے خیال میں، قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہیں لیکن چونکہ وہ دونوں طرح کے قوانین کے لیے ایک ہی مصطلح (Islamic Law) استعمال کرتے ہیں لہٰذا غلط مبحث کی وجہ سے بات واضح نہیں کر پاتے۔

> پس اگر شریعت اور اجتہاد کا یہ فرق ذہن میں رکھا جائے جس کا ذکر ہم نے کیا ہے تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اولی الامر کے وہ قوانین و ضوابط جو وہ حفظ المصالح اور تنظیمی امور کے لیے جاری کرتے ہیں وہ شریعت نہیں ہیں بلکہ اجتہاد کی نوعیت کے ہیں لہٰذا حکام کے وضع کردہ یہ ضوابط نہ تو "شریعت" ہیں اور نہ ہی شریعت کا مصدر۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سعودی عرب میں اس موضوع پر باقاعدہ قانون سازی ہو چکی ہے، سعودی عرب کے مذہبی امور کے موجودہ سربراہ جناب علامہ عبدالعزیز بن باز نے جب وہ مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے بادشاہ کو لکھا کہ سرکاری کاغذات میں "قانون ساز" اداروں اور افراد[2] کے لیے شارع اور مشرع کے الفاظ استعمال ہو رہے ہیں اور چونکہ علی الاطلاق شارع اللہ کے سوا اور کوئی نہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا کسی کے ساتھ شارع یا مشرع لکھنا غیر مناسب ہے۔ بادشاہ نے مسئلہ کابینہ کے غور کے لیے بھجوا دیا،

---

[1] Noelcoulson: Conflict and Tension in Islamic Jurisprudence: University of Chicago Press.

[2] یاد رہے کہ سعودی عرب میں "قانون سازی" کا اختیار کابینہ کو حاصل ہے جس کا صدر بادشاہ ہوتا ہے۔

جہاں یہ فیصلہ ہوا کہ شارع یا مشرع کا لفظ "قانون ساز" ادارے اور افراد کے لیے استعمال نہ کیا جائے، بلکہ متبادل الفاظ استعمال کیے جائیں [1] اسی طرح یہاں "قانون" کا لفظ بھی مستعمل نہیں ہے اور اس کی جگہ "نظام" کا متبادل استعمال ہوتا ہے۔

خلیفہ اور خلافت کی صحیح شرعی حیثیت

دوسری اساسی بات جس کا سمجھ لینا ابتدا ہی میں ضروری ہے، وہ خلافت کی حقیقت ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں حکومت کے سربراہ کے لیے مختلف اوقات میں مختلف اسماء و القاب استعمال ہوتے رہے ہیں مثلاً خلیفہ، امیر المومنین، امام اور سلطان وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ جب دستور اور نظام حکمرانی کی بات ہو رہی ہو تو خلافت سے مراد وہ خلافت نہیں ہو سکتی جس کی رو سے قرآن نے نوع انسان کو خدا کا خلیفہ قرار دیا ہے" [2]، بلکہ خلیفہ سے مراد مسلمانوں کی حکومت کا سربراہ ہے [3]"

یہ جان لینے کے بعد کہ خلیفہ سربراہ مملکت کا لقب ہے اور خلافت اس نظام حکومت کا نام ہے جو پچھلی کئی صدیوں میں جاری رہا ہے، یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ خلافت کا یہ سیاسی نظام ایک مخصوص زمانے میں، مخصوص حالات کی پیداوار تھا اور کوئی دائمی یا الہامی نظام نہ تھا کہ "خلافت" یا "خلیفہ" کے الفاظ یا ادارے سے کوئی شرعی تقدس وابستہ ہو، چونکہ شریعت نے مسلمانوں کو سیاسی نظام کے بارے میں بنیادی اصول عطا کرنے پر اکتفاء فرمایا ہے اور اس کا تفصیلی ڈھانچہ مقرر نہیں فرمایا [4]، لہٰذا ہر وہ سیاسی نظام جو ان بنیادی اصولوں کے مطابق اور ان کی روشنی

---

[1] ملاحظہ ہو کابینہ کا فیصلہ نمبر ۳۲۸ بتاریخ ۲/۷/۹ ۱ھ تفصیل کے لئے دیکھیئے ڈاکٹر محمد عبدالجواد کی کتاب "التطور التشریعی فی المملکۃ العربیہ السعودیہ" صفحہ ۷۷ و ما بعد، طبع اسکندریہ

[2] واذ قال ربك للملئكة انى جاعل فى الارض خليفة - (البقرة: ۳۰)

[3] جیسے قولہ تعالیٰ: "یا داؤد انا جعلنٰك خليفة فى الارض فاحكم بين الناس بالحق" (صٓ: ۲۶)

[4] ازراہ حکمت نہ کہ نعوذ باللہ ازراہِ کمزوری۔

میں وضع کیا گیا ہو وہ شریعت کے نقطہ نظر سے مقبول اور اسلامی سیاسی نظام ہے قطع نظر ان اسماء اور القابات کے جو اس نظام کے اداروں کے لیے استعمال کئے جائیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ماضی میں فقہاء نے جہاں "خلیفہ" کے نام سے مختلف امور پر بحثیں کی ہیں موجودہ دور میں ان کا اطلاق ہر مسلم سربراہ مملکت پر ہوتا ہے، خواہ وہ "صدر" ہو یا "وزیر اعظم" "بادشاہ" یا کسی "انقلابی کمیٹی کا کمانڈر" وغیرہ۔

مسلم سربراہ حکومت کو خلیفہ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خدا کا خلیفہ ہوتا ہے۔ یا وہ ظل الٰہی اور خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہوتا ہے بلکہ اس کو خلیفہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب اور قائمقام ہوتا ہے[۱] وہ خدا یا رسول کی طرف سے مقرر کردہ نہیں بلکہ امت اور اس کے اہل حل وعقد کی طرف سے اختیار کردہ ہوتا ہے، امامت میں تعیین اور اختیار کا یہی وہ بنیادی فرق ہے جس میں شیعہ حضرات نے جمہور امت سے الگ موقف اختیار کیا۔[۲]

ان امور کی وضاحت کے بعد آیئے اب دیکھیں کہ اولی الامر کون ہیں اور ان کی اطاعت ہم پر کیوں اور کیسے واجب ہے، اس اطاعت کی حدود و شروط کیا ہیں اور ان کے جاری کردہ ضوابط و احکام کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

اولی الامر ــــ وجوب اطاعت

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

---

[۱] چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا "یا خلیفۃ اللہ" تو آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں، کیونکہ خلیفہ تو غائب کا ہوتا ہے حاضر کا نہیں" دیکھئے "النظریات السیاسیۃ الاسلامیہ" الدکتور محمد ضیاء الدین الریس، طبع دار التراث ۱۹۷۹ھ، صفحہ ۱۱۳۔

[۲] چنانچہ الماوردی کہتے ہیں "الامامۃ موضوعۃ لخلافۃ النبوۃ وحراسۃ الدین وسیاسۃ الدنیا" (احکام السلطانیہ صفحہ ۳ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ [1]

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

یاد رہے کہ اگرچہ مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اولی الامر کی تعریف میں حکام کے علاوہ علماء اور قبیلوں کے سردار و شیوخ وغیرہ وہ سب لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے سربراہ کار ہوں[2] لیکن ظاہر ہے کہ اس کے سب سے بڑے مصداق نظم و نسق کے وہ ذمہ داران ہی ہیں جو حکومت چلاتے اور معاشرے میں نظم و نسق بحال کرتے ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ وہ اصحاب امر کی اطاعت کریں اور ان سے نزاع کر کے اجتماعی زندگی میں خلل نہ ڈالیں۔ یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ آیت میں اَمر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جو اصولیوں کے نزدیک وجوب پر دلالت کرتا ہے الا یہ کہ کوئی قرینہ ایسا ہو جو ندب و اباحت کی صراحت کرے اور چونکہ یہاں کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے لہذا آیت سے اولی الامر کی اطاعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے ان شروط کے ساتھ جن کا ذکر اس آیت میں آیا

---

[1] النساء - ۵۹

[2] السیاستہ الشرعیۃ لابن تیمیہ صفحہ ۱۸۲ طبع دار الشعب ۱۹۷۱ء نیز دیکھئے۔
تفسیر المنار لرشید رضا، جلد ۵ صفحہ ۱۸۰ [illegible]

ہے اور جن کی صراحت احادیث سے ہوتی ہے۔

قرآن حکیم کے اس اجمالی حکم کی تفصیل متعدد احادیث سے ملتی ہے مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ا۔ "من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ، ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعصی الامیر فقد عصانی" [1]

جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر (یعنی حاکم وقت) کی اطاعت کی، گویا میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔

ب۔ اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ [2]

یعنی سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنایا گیا ہو جس کا سر منقی کشمش جیسا ہو۔

ج۔ علیک السمع والطاعۃ فی عسرک ویسرک ومنشطک ومکرھک واثرۃ علیک۔ [3]

یعنی تم پر سمع واطاعت (حکمرانوں کی) واجب ہے خوشی میں اور غمی میں اور چاہے رغبت سے ہو یا بے دلی سے۔

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مسلمانوں کے امراء و حکام کی اطاعت واجب ہے، ان کی اطاعت گویا رسولؐ کی اطاعت ہے اور ان کے احکام کی خلاف ورزی گویا احکام رسولؐ کی خلاف ورزی ہے چاہے حکام پسندیدہ ہوں یا کسی

---

[1] صحیح مسلم بشرح نووی جلد ۱۲: صفحہ ۲۲۳

[2] فتح الباری بشرح البخاری جزء ۱۸: صفحہ ۲۴۰: رواہ ایضاً ابن ماجہ والامام احمد

[3] صحیح مسلم بشرح نووی جلد ۱۲: صفحہ ۲۲۴: